عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری میں تہذیبی، تاریخی اور سیاسی شعور کا اظہار

ڈاکٹر فرزانہ کوکب*

Abstract:

Ismat Chughtai is the famous short story writer of Urdu Literature. In her stories she focused on realistic features of society. Especially we can find a great emphasis on ethical and social features in her stories. In this article these types of stories are included social identity and make her internationally recognized in this field.

اردو افسانہ کی تاریخ کم و بیش سو سال پر محیط ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس سارے عرصہ میں بہت سی سیاسی، سماجی، معاشرتی تبدیلیاں اور متعدد اصلاحی، فکری اور سیاسی تحریکیں سامنے آئیں اور ان سب تبدیلیوں اور تحریکوں کے اردو ادب پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے۔

اردو ادب میں مختصر افسانہ مغرب سے آیا اس سے پہلے داستانیں اردو کے نثری اور افسانوی ادب کی تشکیل میں ایک بنیادی اور اہم عنصر کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ہماری نثری داستانوں کی تاریخ اٹھارویں صدی کے تقریباً نصف آخر سے شروع ہوتی ہے اور پھر فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰ء) کے دور سے انیسویں صدی کے آخر تک متعدد داستانیں تصنیف کی گئیں۔

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی سرسید تحریک اور رومانوی تحریک کے ساتھ ساتھ مغربی نظریات اور تحریکوں نے برصغیر کے پڑھے لکھے اور باشعور افراد کے اذہان کے ساتھ اردو ادب کو بے انتہا متاثر کیا۔ ان تحریکوں میں ریشنلزم، نیچرلزم، سرئیلزم، سمبولزم، ایکسپریشنزم، وجودیت، یورپ کی نشاۃ الثانیہ، تحریک جدید و اصلاح مذہب، انسان دوستی، آزاد خیالی، نفسیات کی تحریک، آزاد تلازمۂ خیال کی تحریک، تجریدیت، علامت نگاری کی تحریک،

* شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

مارکسیت وغیرہ شامل ہیں، نے انیسویں صدی کے افراد اور بیسویں صدی کے اوائل کے ہندوستانی ذہن کی تشکیل میں بہت بنیادی کردار ادا کیا۔

مزید برآں عالمی سطح پر پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء) روسی انقلاب، اجارہ دارانہ، سرمایہ دارانہ قوتوں کا عروج، عالمی منڈیوں کی تقسیم، چینی خلفشار، سپین کی خانہ جنگی، جرمنی اور اٹلی کی فسطائیت اور عالمی معاشی بحران کے ساتھ ساتھ قومی سطح پر رولٹ ایکٹ، تحریکِ عدم تعاون، تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت، سول نافرمانی کی تحریک، بھگت سنگھ کی تحریک، سوراج اور پھر پورنا سوراج تحریک وغیرہ کے علاوہ انسان، سماج اور زندگی کے نئے تصورات، مغربی جمہوریت کا اشتراکیت کا خواب، ٹریڈ یونین ازم، آزادی کی خواہش، قومیت کا تصور، فرائڈ کی نفسیاتی دریافتیں، ادب اور ادیب کا نیا تصور، یہ سب بیسویں صدی کے نصف اول کا سیاسی، سماجی منظر نامہ تھا جس نے ہندوستانی کے قلب و ذہن کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی ادیب کو بھی ادب کی شاہراہ پر ایک نئے رخ اور موڑ کی طرف گامزن کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

ملکی سطح پر سانحہ جلیانوالہ باغ (۱۹۱۹ء) بلاشبہ پہلا بڑا سیاسی سانحہ کہلایا۔ جس نے اُردو افسانے کو بے حد متاثر کیا اور تہذیبی شائستگی کا پرچار کرنے والوں کے بھیانک چہروں کو بے نقاب کیا۔

ڈاکٹر انوار احمد کے مطابق:۔

> ''نوآبادیاتی طاقت نے جس طرح شائستگی اور تہذیب کے خول کو توڑ کر اپنا حقیقی چہرہ دکھایا تھا۔ اس سانحے نے منٹو (تماشا) غلام عباس (رینگنے والے) اور دوسرے افسانہ نگاروں سے تو افسانے تخلیق کرائے ہیں۔ راشد الخیری تک نے اس جبر کے خلاف ''سیاہ داغ'' ایسا افسانہ تخلیق کیا۔''(۱)

اس سیاسی اور ادبی منظر نامہ میں ۱۹۳۶ء کی ترقی پسند ادبی تحریک کے اثرات نے اردو ادب کی کایا کلپ کردی جو اردو ادب میں انتہائی اہم اور دوررس اثرات کی حامل بنی۔

بقول ممتاز شیریں:۔

> ''اردو افسانے پر کئی مختلف تحریکیں اور ادبی رجحانات بیک وقت اثر انداز ہوئے لیکن نئے ادب یعنی ۳۶، ۳۷ کی تحریک میں سماجی حقیقت نگاری سب سے نمایاں رجحان بن کر آئی۔ اس دور کی حقیقت نگاری میں معاشرتی مسائل کے علاوہ سیاسی سماجی مسائل کو بھی نمایاں دخل تھا کیونکہ ہمارے ہاں کی ترقی پسند تحریک اس کا حصہ تھی جو ایک آفاقی تحریک بن چکی تھی۔''(۲)

لیکن ترقی پسند تحریک کے آغاز سے قبل ۱۹۳۲ء میں ''انگارے'' کی اشاعت نے اردو افسانہ نگاری میں موضوع اور ہیئت دونوں اعتبار سے انقلابی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ اس عرصہ میں برصغیر میں مکمل آزادی کی تحریک زور پکڑ چکی تھی۔ آزادی کی جدوجہد تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ اردو افسانہ نگاری اس جدوجہد کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرتی رہی۔

اردو افسانہ نگار اپنے افسانوں میں موضوعاتی سطح پر ان تمام تبدیلیوں اور تحریکوں کے اثرات اور اس کے حوالے سے اپنے نکتۂ نظر کا جس طرح اظہار کرتے رہے۔ اس پر شہزاد منظر لکھتے ہیں:۔

> ''پرانے افسانے میں (خصوصاً پریم چند اور یلدرم کے عہد کے افسانے میں) مرد اور عورت کی رومانی اور ازدواجی زندگی، کسان کی مظلومیت، سود خور بنیئے اور زمینداروں کی لوٹ کھسوٹ عورت پر ڈھائے جانے والے مظالم، بیوگی کی زندگی کے سماجی اور نفسیاتی مسائل، جہالت کی وجہ سے عورتوں میں پیدا ہونے والی برائیاں، متوسط طبقہ کے ملازمت پیشہ لوگوں کی محرومیاں اور سماجی، معاشی اور جنسی مسائل، معاشرہ میں طوائف کی مظلومیت اور بے چارگی، قحطِ بنگال، برطانوی سامراج کے خلاف آزادی کی جدوجہد، دو وقت کی روٹی کے حصول کے لیے مزدوروں کی تگ ودو، یونین سازی اور ہڑتالیں، فاقہ زدگی، بیماری اور افلاس اور فرقہ وارانہ فسادات یہ ہیں وہ موضوعات جس میں پریم چند کے عہد سے لیکر ترقی پسند ادب کے عہد تک افسانے لکھے جاتے رہے ہیں اور قیام پاکستان کے بعد بھی لکھے گئے۔''(۳)

''انگارے'' اور ترقی پسند تحریک کے تحت لکھے گئے افسانوں نے فرسودہ استحصالی نظام پر مبنی معاشرتی نظام کے در و دیوار کو بنیادوں تک ہلا کے رکھ دیا۔ ان افسانہ نگاروں میں ''عصمت چغتائی'' کا نام اردو ادب کے ان چار ستونوں (منٹو، کرشن چندر، عصمت، بیدی) میں سے ایک ہے۔ جنھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ معاشرہ کی پوشیدہ اور کھوکھلی دیواروں کو منہدم کر کے ایک نئے نظام کی مضبوط بنیاد کھڑی کرنے کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔

عصمت چغتائی نہ صرف ترقی پسند تحریک کی رکن تھیں بلکہ آخر تک ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہیں۔ عصمت کا فن ترقی پسند تحریک کے سائے میں پروان چڑھا۔ عصمت چغتائی تک آتے آتے اردو افسانہ موضوعات، میلانات، رجحانات اور تکنیک کے اعتبار سے متنوع رہا۔

عصمت چغتائی کے افسانوں میں بھی متنوع موضوعات کی کوئی کمی نہیں۔ بلکہ جتنی رنگا رنگ دنیا ہے عصمت چغتائی کے افسانوں میں بھی کم و بیش اتنے ہی رنگ کے موضوعات مل جاتے ہیں۔

عصمت چغتائی کے افسانوں کو پڑھ کران کے معاشرتی اورسماجی شعور کی پختگی اور گہرائی کا احساس، عالمی سیاسی تناظر کا ادراک اوراس کے ساتھ ساتھ تاریخی اور عمرانی شعور کی موجودگی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اردوافسانہ نگاروں کے ہاں یوں تو عالمی سیاسی،تہذیبی اور تاریخی شعور کے حوالے سے بےشمار موضوعات ہیں۔ان میں بالخصوص فلسطین پر یہودیوں کی جارحیت اورظلم وستم، امریکہ کا ہیروشیما اور ناگاساکی (جاپان) پر گرائے جانے والے ایٹمی بم کی تباہ کاری کے اثرات ایسے موضوعات لکھنے والوں میں سے انتظار حسین، سمیع آہوجہ، مظہرالاسلام کے نام لئے جاسکتے ہیں۔اسی طرح افغانستان پرروسی جارحیت کے نتیجے میں چھڑنے والی جنگ اوراس جنگ کی تباہ کاریوں پراحمد زین العابدین (زردموسم) سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے مسعود مفتی،شہزادمنظر،طاہرمسعود، ہجرت کے المیہ کے حوالے سے انتظار حسین، جوگندر پال،رام لعل کے نام موجود ہیں۔

خواتین افسانہ نگاروں میں بھی عالمی سیاسی،تہذیبی اور تاریخی شعور کے اظہار کے حوالے سے قرۃ العین حیدر،فرخندہ لودھی،زاہدہ حنا،شبنم یزدانی جیسے نام موجود ہیں۔

عصمت چغتائی کے افسانوں میں ان کے عالمی سیاسی،تہذیبی اور تاریخی شعور کا ایک پختہ اور گہرا احساس اوراظہار موجود ہے۔

اس کی ایک مثال عصمت چغتائی کا افسانہ ''تھوڑی سی پاگل'' ہے۔عصمت کے اس افسانہ کا موضوع جنگ کی تباہ کاریوں کے نتیجے میں حساس ذہن ودل کے مالک افراد بالخصوص عورتوں پر ہونے والے اثرات اوران کے ردِعمل پرمبنی ہے۔عصمت چغتائی نے اس افسانہ میں ہٹلر کی تباہ کاریوں کواوراس کے نتیجے میں ان تباہ کاریوں کے اثرات کا شکار عوام کے ردِعمل کوموضوع بنایا ہے۔

> ''اور پھر ہٹلر نے روس پرحملہ کردیا۔ایک خون آشام بھوت جوگھٹنوں چلتے بچے پرٹوٹ پڑا۔ایک آہنی انجن تھا جو ہنستے معصوم انسانوں کو پیستا چلا گیا۔گلپنا جیسے لاکھوں امن پسند خاندان پس کر خاک ہوگئے۔لاکھوں لوگ قیدی بنا کراس لیے جرمنی بھیج دیئے گئے کہ وہاں غلاموں کی طرح جبریہ محنت پر جتا دیئے جائیں۔''(۴)

ہٹلر کی بمباری کے نتیجے میں ایک خاندان کی تباہی اور پھراس خاندان کی واحد بچ جانے والی لڑکی گلپنا کس طرح اپنے کم سن مردہ بہن بھائیوں کی ادھوری رہ جانے والی خواہشات کو پورا کرتی ہےاورساری زندگی گزار دیتی ہے۔کبھی وہ ٹرک چلانا سیکھتی ہے۔کبھی ہوائی جہاز اڑا کر دشمن کے علاقوں پر بمباری کرتی ہے۔کبھی سرکس کے کرتب سیکھتی ہےتو کبھی کسی رقص میں مہارت حاصل کرتی ہے۔

درحقیقت یہ تمام کام وہ ہیں جو اس کے مقتول بہن بھائی اپنی زندگی میں کرنے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ اسے لگتا ہے کہ یہ کام کر کے وہ اپنے بہن بھائیوں کی ادھوری رہ جانے والی خواہشوں کو پورا کر کے ان کی روحوں کو سکون پہنچا رہی ہے اور آخر میں وہ جنگ کی تباہ کاری سے متاثر ایک ۵۰ سالہ زخمی شاعر جو جنگ میں اپنی بیوی اور بچے کو کھو چکا ہے کی تیمارداری کرتے ہوئے اپنی زندگی گزار دیتی ہے۔

''پانچ سال میں اس کا خواب پورا ہو گیا۔ وہ اپنی منزل پر پہنچ گئی پھر اس نے پہلی بار
اپنے پورے خاندان کو ہنستا کھیلتا صحیح سلامت مسلسل کئی راتوں تک خوابوں میں دیکھا۔
جب قیامت خیز بم اس دنیا پر نہیں گرا تھا۔ تب زندگی پر بہار تھی۔''(۵)

''روشنی کا ہالہ'' افسانہ میں عصمت چغتائی کے چین کی طویل جنگِ آزادی اور اس دوران لڑی جانے والی گوریلا جنگ میں حصہ لینے والی خواتین کی مشکلات کو موضوع بنایا ہے۔ عصمت چغتائی نے جنگ کی تمام تفصیلات اور احوال افسانہ کی مرکزی کردار ''لی'' کے ذریعہ بتائی ہیں۔ عصمت نے اس افسانہ میں گوریلا جنگوں کی تفصیل کو مکمل جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے جن کو پڑھ کر عصمت کے وسیع مطالعہ اور پختہ سیاسی شعور کا پتا چلتا ہے۔ عصمت چغتائی یہ باور کرانا چاہتی ہیں کہ کوئی قوم اگر اپنے اندر آزادی کے جذبہ کو بیدار کرے اور اس کے حصول کے لیے پرخلوص ہو کر ڈٹ جائے تو پھر اس کے مقصد کی راہ میں آنے والی تمام مشکلات خس و خاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ جنہیں اس قوم کے افراد کی ہمت، جوش، جذبہ، جدوجہد، محنت، لگن اور برداشت ایک طوفان بن کر بہا لے جاتی ہے۔ باشعور قومیں اور معاشرے اپنی خواتین کی صلاحیتوں، ذہانت اور طاقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایک طاقتور ہستی کے طور پر خواتین کی قدر کرتے ہیں۔ آزادی کی نعمت انہیں قوموں کو میسر آتی ہے جو آزادی کے لیے ڈٹ جائیں۔

عصمت چغتائی نے ہندو مسلم معاشرے میں مذہبی تضادات اور مذہبی مناقشات کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ مذہب کو کس طرح زندگی کے مختلف پہلوؤں میں بنیاد بنا کر تخریب کے لیے یا فسادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور مذہبی مناقشات کی آڑ میں کس طرح اپنی سیاست کی دکان چمکائی جاتی ہے۔ خصوصاً ہندو مسلم معاشرہ میں مذہب کے نام پر کیسے کیسے مسائل جنم لیتے ہیں۔ عصمت چغتائی نے اس کی بڑی بے رحم اور سچی تصویر کشی کی ہے۔ عصمت کے نزدیک مذہب کوئی بھی ہو انسان کو بہتری اور فائدہ کے لیے ہے نہ کہ نقصان کے لیے۔

''کیوں رے کتے''، ''بن بلایا مہمان''، ''بچہ'' عصمت چغتائی کے ایک ہی افسانہ کے تین حصے ہیں۔ جس میں ہندو مسلم مناقشات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عصمت نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہندو مسلم رہنما اور مذہبی

انتہا پسند تنظیمیں جو ذرا ذرا سے مسئلہ پر ہندو مسلم فسادات کروا دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ ان فسادات کا شکار ماں باپ سے بچھڑ جانے والے معصوم بچہ کو دوبارہ انہی فسادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب دل صاف نہ ہوں اور دلوں میں نفرت ہو تو پھر لڑائی جھگڑے اور فساد کا موقع چاہے اس کی بنیاد مذہب ہو ہر کوئی ڈھونڈ لیتا ہے۔

''وہ کون تھا'' افسانہ میں بھی عصمت کا نکتۂ نظر یہی ہے کہ تمام انسان پیدائشی طور پر ایک جیسے ہیں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ کہیں سے ہندو نظر آتا ہے نہ مسلمان، نہ سکھ نہ عیسائی، بس انسان ہوتا ہے۔ ان کو ایک دوسرے سے الگ پہنچاننا تقریباً ناممکن ہوتا ہے لیکن مذہبی تفرقہ باز اور مذہب کے نام پر اپنی سیاست کی دکان چمکانے والے ان بچوں کی پیدائش کو بھی مذہبی نوعیت کا مسئلہ بنا دیتے ہیں۔

ہندوستان کی تقسیم (۱۹۴۷ء) تاریخ کی بڑی اور خونیں تقسیم کہلاتی ہے۔ اس تقسیم کے نتیجے میں خونیں اور انسانیت سوز فسادات نے ہر حساس اور ذی شعور فرد کے ذہن اور نفسیات پر نہ صرف گہرے بلکہ ہولناک اثرات مرتب کئے اردو ادب اور اردو افسانہ میں بھی تقسیم ہند، فسادات، ہجرت، اپنا آبائی وطن چھوڑنے کا دکھ اور کرب اور اس کے نتیجے میں شخصی اور روحانی سطح پر انسان کی ٹوٹ پھوٹ پھر نئی آباد کاری کے مسائل اور اس نوع کے دیگر موضوعات پر مبنی افسانوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔

درحقیقت ۱۹۴۷ء کے فسادات نے پرانی دنیا کا خاتمہ کر دیا جو اخوت اور بھائی چارہ کے نظریہ پر استوار تھی پھر یہ کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات سے جہاں ایک طرف شہری اور دیہاتی عوام کے ایک بہت بڑے طبقہ کی زندگی بُری طرح متاثر ہوئی۔ وہاں دوسری طرف پڑھے لکھے طبقہ خصوصاً ادیبوں کو ذہنی طور پر اس واقعہ سے شدید صدمہ پہنچا کیونکہ انسانی آدرشوں، اخلاقی روایات واقدار کے علمبردار ادیبوں کو سمجھا جاتا تھا اور جب انہیں اس ''جنتِ ارضی'' کو اجڑتے دیکھنا پڑا تو ان مشاہدات سے ان کی روح تک لرز اٹھی۔ اس ضمن میں کچھ بہت اہم اور دل کی گہرائیوں کو چھو لینے والے افسانوں میں ''حیات اللہ انصاری'' کے دو افسانے ''ماں بیٹا'' اور ''شکر گزار آنکھیں'' کرشن چندر کے افسانے ''آزادی سے پہلے''، ''امرتسر''، ''پشاور ایکسپریس''، ''جانور''، ''دوسری موت''، ''مدرسہ'' اور ''ہم وحشی ہیں''، ''سعادت حسن منٹو'' کے افسانے ''ٹھنڈا گوشت''، ''کھول دو'' اور ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''، راجندر سنگھ بیدی کا ''لاجونتی'' احمد ندیم قاسمی کے افسانے ''میں انسان ہوں''، ''چڑیل''، ''تسکین'' اور ''پرمیشر سنگھ''، عزیز احمد افسانہ ''کالی رات'' بلونت سنگھ کے افسانے ''لمحے''، ''ایک معمولی لڑکی''، ''تعمیر''، ''پہلا پتھر''، قدرت اللہ شہاب کا ''یا خدا''، ممتاز مفتی کا ''گھور اندھیرے''، انتظار حسین کا ''قیوما کی دکان''، سہیل عظیم آبادی کا ''اندھیارے میں کرن''، ''آغا بابر'' کا ''کبو''، شان الحق حقی کے افسانے ''ننھی کا توتا'' اور ''بن لکھی رزمیہ''، اشفاق احمد کا ''گڈریا'' اور شوکت صدیقی کا

''تا تیا'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں بھی اس حوالے سے بہت اثر انگیز افسانے ملتے ہیں۔ اس ضمن میں ''صدیقہ بیگم'' کے فسادات کے موضوع پر مبنی دو افسانے ''روپ'' اور ''گوتم کی سرزمین''، خدیجہ مستور کا ''ٹامک ٹوئیے''، ہاجرہ مسرور کے دو افسانے ''بڑے انسان بنے بیٹھے ہیں، '' قافلہ چلا ہے'' وغیرہ اہم افسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔

عصمت چغتائی نے بھی تقسیمِ ہند کے عام لوگوں خواہ وہ مسلمان ہوں، سکھ، ہندو یا انگریز ہوں پر پڑنے والے اثرات کو اپنے افسانوں میں جگہ ضرور دی ہے۔آغا سلیم قزلباش کی رائے کے مطابق:۔

> ''عصمت چغتائی نے بھی فسادات کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے مگر اس سلسلہ میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی کیونکہ عصمت چغتائی ایک خاص پہلو سے حقیقت کو عریاں کرنے میں ماہر تھیں اور اپنے مخصوص میدان سے نکل کر جب انہوں نے حقیقتِ حال قلمبند کرنا چاہی تو ان کے قلم کی روانی میں لڑکھڑاہٹ نمودار ہوئی۔''(۶)

تقسیمِ ہند اور اس کے اثرات کے حوالے سے عصمت چغتائی کے مشاہدات، جذبات اور نکتہ نظر کے اظہار کے لیے ان کے افسانہ ''جڑیں'' کا ہی نام لیا جاسکتا ہے۔''جڑیں'' افسانہ میں عصمت چغتائی نے تقسیم ہند کے تناظر میں بتایا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان عوامی سطح پر ہمیشہ بلا کسی مذہبی یا قومی تفریق کے اکٹھے ہنسی خوشی اور مل کر زندگی بسر کرتے چلے آئے تھے۔تقسیم بڑے سیاستدانوں نے کی جس کے لیے مذہبی قومی اور لسانی امتیازات کو آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کیا گیا اور اس بنا پر فسادات کروائے گئے۔جس کے نتیجہ میں عام لوگوں کے ذہنوں نے بھی ان فسادات کے اثرات کو قبول کیا۔اور گہری محبتیں کم ہوتی چلی گئیں۔صدیوں سے ایک دوسرے کے دُکھ سکھ کے ساتھی ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔

> ''کم بختوں کو یہ خیال بھی نہیں کہ انگریز چلے گئے اور چلتے چلتے ایسا گہرا گھاؤ مار گئے جو برسوں رہے گا۔ ہندوستان پر عملِ جراحی کچھ ایسے لنج ہاتھوں اور کُٹھل نشتروں سے ہوا ہے کہ ہزاروں شریانیں کٹ گئی ہیں۔خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔کسی میں اتنی سکت نہیں کہ ٹانکہ لگا سکے۔''(۷)

ملک بٹ گیا اور اس بٹوارے کے نتیجہ میں لوگوں کو اپنا آبائی وطن چھوڑ کر ایک نئے ملک میں آباد ہونا پڑا۔ جیسے درختوں کو ان کی جڑوں سے کاٹ کر پھینک دیا جائے:۔

> ''اپنا وطن ہے کس چڑیا کا نام؟ لوگو بتاؤ تو وہ ہے کہاں اپنا وطن، جس مٹی میں جنم لیا، جس میں لوٹ پوٹ کر بڑھے پلے، وہی اپنا وطن نہ ہوا تو پھر جہاں چار دن کو جا کر بس

جاؤ، وہ کیسے اپنا وطن ہو جائے گا۔۔۔۔اور یہ وطن اجاڑنے بسانے کا کھیل کچھ دلچسپ بھی تو نہیں۔ایک دن تھا مغل اپنا وطن چھوڑ کر نیا وطن بسانے آئے تھے۔آج چلو پھر وطن بسانے۔ وطن نہ ہوا ہیر کی جوتی ہوگئی۔ ذرا تنگ پڑی اتار پھینکی دوسری پہن لی۔''(۸)

لیکن پھر بھی لوگوں کے دل نہ بٹ سکے۔کیونکہ انسانیت اور محبت کے جذبات حاوی ہوں تو پھر مذہبیت اور قومیت پرمبنی جذبات اپنے منفی اثرات اوران کی شدت کھو بیٹھتے ہیں۔

عصمت چغتائی کے مذکورہ بالا افسانہ کو پڑھ کر ''تقسیمِ ہند'' بٹوارے یا ہجرت کے حوالے سے ان کا ایک مختلف نکتہ نظر سامنے آتا ہے یعنی سرحدوں کو تقسیم کرنے سے دلوں کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔اسی طرح عصمت چغتائی کا افسانہ ''ہندوستان چھوڑ دو'' میں اس تحریک کو جو انگریزوں کے خلاف برصغیر میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' کے نام سے چلی،کو موضوع بنایا گیا ہے۔

درحقیقت عصمت چغتائی اس نکتہ نظر کی علمبردار ہیں کہ جس جگہ انسان کو پیار، محبت اور اپنائیت ملے وہی اس کا وطن اور دیس ہوتا ہے۔ چاہے اس کے وطن میں اس کے لیے جتنی مادی آسائشیں موجود ہوں لیکن انسان حقیقی محبت، احترام اور سکون کا بھوکا ہے۔کچھ لوگ ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی اس طرح زندگی گزارتے ہیں جیسے وہ اپنے ہی وطن میں غریب الوطن ہوں۔ نہ انہیں عزت و احترام ملتا ہے۔ نہ بنیادی شہری حقوق اور نہ ہی محبت اور اپنائیت اور بعض دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کو ہندوستان میں اتنی عزت وقدر، محبت وسکون ملا کہ انہوں نے اپنے اصل وطن کی بجائے ہندوستان کو ہی اپنا وطن بنا لیا لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے وطن سے باہر کسی دوسرے وطن میں ہونا ہی غریب الوطنی نہیں بلکہ بعض اوقات اپنے وطن میں بھی انسان ایسے حالات کا شکار ہو جاتا ہے۔جن کا سامنا شاید غریب الوطن کو کرنا پڑتا ہے لیکن جس نے مرکز ہی ہندوستان چھوڑا۔مرنے سے پہلے سرسام میں مبتلا ہو کر وہ بھی کچھ انہی کیفیات سے گزرا۔

''میرا کوئی ملک نہیں۔کوئی نسل نہیں۔کوئی رنگ نہیں تیرا ملک اور نسل سکھو بائی ہے۔ جس نے تجھے بے پناہ پیار دیا کیونکہ وہ بھی اپنے دیس میں غریب الوطن ہے۔ بالکل تیری طرح ان کروڑوں انسانوں کی طرح جو دنیا کے ہر کونے میں پیدا ہو جاتے ہیں، نہ ان کی ولادت پر شادیانے بجتے ہیں۔نہ موت پر ماتم ہوتے ہیں۔''(۹)

اسی طرح عصمت چغتائی کے افسانہ ''خرید لو'' کو ایک طرح سے اسی افسانے کی فکری اور جذباتی توسیع کہا جاسکتا ہے۔عصمت ایک باشعور تخلیق کار کی طرح مقامی وملکی صورتِ حال کو عالمی تناظر میں دکھانے کے ساتھ بڑے

مربوط اور منظّم انداز میں ساری دنیا کے لیے ''آئیڈیل'' قرار دیئے جانے والے معاشرے اور سماج کو اس کے تمام تر تضادات اور گھناؤنے پن سے عیاں کرنے کی پوری کوشش کرتی ہیں۔ ایک ایسا منافقت سے بھرپور معاشرہ جس کی صرف اس کی اشتہاری صنعت کے ذریعہ ہی پردہ پوشی کی جاسکتی ہے۔

> ''یہ اس ترقی یافتہ ملک کی ترقی یافتہ اشتہار بازی ہے کہ بمباری کے نیا نشانے ہیں۔ مجال ہے جو چوک جائیں جب بھی نیا فیشن آتا ہے تو فوجی ناکہ بندی شروع ہوجاتی ہے۔ چپکے چپکے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں تیار کر کے ہر اسٹور کی ہر شاخ ہر مال پہنچا دیا جاتا ہے اور پھر حملہ شروع ہوتا ہے۔ جلدی، فوراً نہیں تو مٹ جاؤ گے۔ تباہ ہو جاؤ گے۔۔۔ ابھی اسی وقت نہ خریدا تو قیامت آجائے گی۔ عاشق منہ پھیر لیں گے۔ شوہر طلاقیں دے دیں گے۔ باس نوکری سے نکال دیں گے۔ ساری عمر کنواری یا طلاقن بنی سسکوگی۔''(۱۰)

عصمت چغتائی مذہب، معاشرہ، سیاست، قانون، معیشت، قومی اور بین الاقوامی تحریکوں، تبدیلیوں اور انقلابات کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے ''انسانیت'' اور انسان دوستی کو ہی کسوٹی اور معیار سمجھتی ہیں۔

عصمت چغتائی کے درج بالا افسانے ادب کے قاری اور ناقد کو یہ باور کروانے کے لیے کافی ہیں کہ عصمت چغتائی تاریخی، تہذیبی شعور اور سیاسی بصیرت کی صلاحیتوں سے پوری طرح بہرہ مند تھیں اور اس شعور اور بصیرت کے تخلیقی اظہار سے نہ صرف وہ ادب کے قاری کو چونکاتی ہیں بلکہ اردو افسانہ کو تاریخی، عصری اور سیاسی مسائل پر مبنی موضوعات کے اظہار کے قابل بنانے والے ادیبوں میں شامل ہو کر اردو ادب کی تاریخ اور روایت میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انواراحمد، ڈاکٹر، اردوافسانہ ایک صدی کا قصہ، نقشِ ثانی، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۲۳

۲۔ اُردوافسانے پرمغربی افسانہ کا اثراز ممتاز شیریں مشمولہ''اردوافسانہ روایت ومسائل''، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۸۳

۳۔ شہزادمنظر، علامتی افسانے کے ابلاغ کا مسئلہ، منظر پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۲۳

۴۔ افسانہ''تھوڑی سی پاگل''، ''عصمت چغتائی کے سو افسانے''، ترتیب و انتخاب، آصف نواز چوہدری، محمد طارق چوہدری، چوہدری اکیڈمی، لاہور، ص ۴۸۵، ۴۸۶

۵۔ ایضاً، ص ۴۹۰

۶۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر،''جدید اردوافسانے کے رجحانات''(فسادات کے حوالے سے افسانے لکھنے کا چلن)، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۲۶

۷۔ افسانہ''جڑیں''،''عصمت چغتائی کے سوافسانے''، ترتیب وانتخاب، آصف نواز چوہدری، محمد طارق چوہدری، چوہدری اکیڈمی، لاہور، ص ۵۵۷

۸۔ ایضاً، ص ۵۶۵، ۵۶۶

۹۔ افسانہ'ہندوستان چھوڑ دو'، ایضاً، ص ۱۴۰۷، ۱۴۰۸

۱۰۔ افسانہ'خرید لو'، ایضاً، ص ۱۸۷